عبدالشکور شاکر

اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالا

ایک بھاشاجومستردکردی گئی:ایک تنقیدی مطالعہ

Aik Bhasha Jo Mustarad Kar Di Gai: A Critical Study

Abstract:
During his stay in America, Gyan Chand wrote a book called "*Aik Bhasha: Do Likhawat, Do Adab*" in which an attempt was made to distort the distinctive identity of Urdu language. The book became controversial due to its critical contents, theoritical confusion, superficial research & biased narrative. As a reaction, several articles were published in some magazines of Indo-Pak, as well as, a few books were also written in which Gyan Chand's monolingual theory was invalidated. Out of the replying books, Dr. Khalil Ahmad Beg's "Aik Bhasha Jo Mustarad Kar Di Gai" is the most significant. The book is a collection of his published articles. The purpose of writing this book is to expose misrepresentations, highlight the facts and save the readers from misguidance. Dr. Beg's approach is balanced and comprehensive, and the method of presentation is scientific, which he has adopted in response to Gyan Chand's book. He has rejected Gyan Chand's alleged views on the criterian of historical and discriptive linguistics knowledge that the origin of a language is determined by spoken form and not its written form, so Urdu & Hindi are same languages and Hindi is a basic language, while Urdu is its Shelly. This article presents a critical study of Khalil Ahmad Beg's replying book and also clarifies to what extent he has succeded in refuting the Gyan Chand's linguistic ideas and presenting a realistic position on linguistic formation of Urdu.

Keywords: Urdu, Hindi, Linguistics, Shelly, Monolingual Theory

گو لسانیات اردو میں ایک نیا علمی شعبہ ہے تاہم اردو ماہرین لسانیات نے مختصر سی مدت میں جدید انداز میں گراں قدر تحقیقی و تنقیدی کام انجام دیا ہے۔ماہرین نے سابقہ تحقیقات کا بھی جائزہ لیااور نئی تحقیق کے لیے یورپی

ماہرین کے لسانیاتی طرزِ تحقیق کو بھی نمونۂ عمل بنایا۔ ان کی تحقیقات کی بدولت اردو زبان کی اصل و اساس، آغاز و ارتقا، منبع و منشا، عہد بہ عہد کی تبدیلیاں اور اصطلاحات، ہمسایہ زبانوں سے اس کا رشتہ بالخصوص کھڑی بولی، ہریانی، ہندی و پنجابی سے مماثلت و مغائرت اور دوسری لسانی جہات نمایاں ہوئیں اور شعبۂ لسانیات بہت ثروت مند ہو گیا۔ ان علمائے لسانیات میں ایک نام خلیل احمد بیگ کا بھی ہے۔ موصوف ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ایک مشہور نقاد، استاد اور ماہر لسانیات ہیں جو اسلوبیاتی تنقید اور لسانیات پر اپنے وقیع کام کے باعث ممتاز ہیں۔ ان کی تصانیف خاصی وقیع ہیں، جن میں بعض کا موضوع تاریخی و توضیحی اور صوتی لسانیات ہے جب کہ بعض کتابوں میں تنقید کے ساتھ لسانیاتی امور ثانوی طور پر زیر بحث آئے ہیں۔ موصوف کا نقطۂ نظر متین اور مدلل ہے جس میں ان کے استاد، ممتاز محقق و نقاد اور ماہر لسانیات مسعود حسین خان کا نظریاتی عکس نظر آتا ہے، تاہم انھوں نے اردو کے لسانی نظریے، اس کی ہمسایہ زبانوں سے مماثلت و مغائرت اور دیگر لسانی مباحث کو نسبتاً زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی: ایک تنقیدی مطالعہ

آں جہانی گیان چند جین نے قیامِ امریکا میں اپنی علالت کے ایام میں 'ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب' کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے ۲۰۰۵ء میں نئی دہلی سے شائع کیا۔ یہ کتاب گیان چند کے عمر بھر کے لسانی مطالعات کا ماحصل تصور کی گئی۔ کتاب کی اشاعت پر ہندو ادبا خوش ہوئے جب کہ سلیم الطبع اہلِ قلم انگشت بہ دنداں رہ گئے کیوں کہ اس میں اردو زبان کے امتیازی تشخص کو خلافِ واقعہ مجروح کیا گیا ہے۔ گیان چند اس سے پہلے بھی بعض تحریروں میں اردو زبان کے متعلق اختلافی آرا کا اظہار کر چکے تھے مگر اس کتاب میں انھی اختلافات کو اپنے ہم خیال مصنفین کے متنازع نظریات کی روشنی میں تفصیل سے زیر بحث لائے ہیں۔ واضح ہو کہ ان کا ایک مقالہ "اردو، ہندی یا ہندوستانی"، رسالہ علم و دانش سری نگر بابت فروری مارچ ۱۹۷۳ء اور رسالہ ہندوستانی زبان، بمبئی بابت اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا تھا جو اُن کے مجموعہ مضامین لسانی مطالعے (۱۹۷۳ء) اور مجموعہ حقائق (۱۹۷۸ء) میں بھی شامل ہے، اس میں انھوں نے لسانی و ثقافتی امتیازات کا انکار کرتے ہوئے ہندی و اردو کو ایک زبان قرار دیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں اُسی مضمون کا تشریحی اعادہ کیا گیا ہے، تاہم اُس کا تناظر اور تھا جب کہ اِس کا تناظر اور ہے۔ اُس مضمون کا لکھنا بظاہر خواہش تعمیر پر مبنی تھا، مگر بباطن اُسی تعمیر میں خرابی کی ایک صورت مضمر ہے؛ بخلاف ازیں، اِس کتاب کا لکھنا بظاہر و بباطن تخریب پر مبنی ہے۔ فلم کا ہیرو، ولن کے روپ میں پردۂ سیمیں پر نمودار ہوا ہے۔ مصنف نے غیر متوقع طور پر اردو بولنے والوں اور

ادیبوں کے متعلق مخالفانہ اور معاندانہ روش اختیار کی ہے۔ اشاعت کے فوری بعد یہ تالیف اپنے اختلافی مواد، فکری انتشار، سطحی طرزِ تحقیق اور متعصبانہ بیانیے کے سبب متنازع فیہ بن گئی۔ اس کے جواب میں پاک وہند کے بعض رسائل و جرائد میں متعدد مضامین لکھے گئے اور بعض مستقل کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ جوابی کتابوں میں عبدالستار دلوی کی تالیف دوزبانیں دو ادب اور خلیل احمد بیگ کی کتاب ایک بھاشا جو مسترد کردی گئی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ پہلی کتاب دائرۃ الادب، بمبئی سے فروری ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی اور دوسری کتاب ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ سے ۲۰۰۷ء ہی میں طبع ہوئی۔ دوسری کتاب نسبتاً زیادہ جامع ومانع جواب ہے۔ اسے متذکرہ کتاب کا توضیحی و تنقیدی اور معروضی مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔ گیان چند نے اپنی کتاب کے مباحث میں متعصبانہ نقطۂ نظر اور گمراہ کن طریق کار اختیار کیا، جس کا ابطال اردو خواں طبقے میں ناگزیر سمجھا گیا۔ اس تناظر میں متذکرہ کتابوں کی تصنیف کا مقصد زبان وادب کے متعلق غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرنا، حقائق منظر عام پر لانا اور قارئین کو گمراہی سے بچانا ہے۔ خلیل احمد بیگ کی کتاب ان کے مطبوعہ متفرق مقالات کا مجموعہ ہے۔ مصنف کے اپنے بیان کے مطابق ان کا ایک جامع مضمون "قومی آواز" (نئی دہلی) میں بہ عنوان "اردو زبان فرقہ پرستی کے تناظر میں - ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب پر ایک نظر" سلسلہ وار آٹھ قسطوں میں ۲۶ ستمبر تا ۵ اکتوبر ۲۰۰۶ء شائع ہوا۔ یہی مضمون ماہنامہ اخبارِ اردو، (اسلام آباد) کے دسمبر ۲۰۰۶ء کے شمارے اور بعض دوسرے رسائل میں بھی شائع ہوا۔ مصنف نے کتابی شکل میں اشاعت کے لیے اس مضمون کا جائزہ لینے کے بعد اسے نئے عنوانات کے تحت کتاب کے ابتدائی پانچ ابواب کی شکل میں مرتب کیا اور اسی سلسلے کے چار نئے مضامین کا بھی اضافہ کیا ہے: ۱۔ "ہندی امپیریلزم اور اردو"، ۲۔ "پریم ساگر کی تخلیق کے دوررس نتائج"، ۳۔ "فورٹ ولیم کالج اور اردو، ہندی، ہندوستانی"، ۴۔ "اردو مخالف رجحانات و تحریکات"۔ ان میں اول الذکر دو مضامین علی الترتیب ہماری زبان اور قومی آواز میں شائع ہو چکے ہیں۔[1] ترمیم و اضافہ کے بعد یہ کتاب ایک دیباچے اور نو ابواب پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات کی فہرست حسبِ ذیل ہے:

۱۔ پہلا باب: ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب
۲۔ دوسرا باب: فرقہ وارانہ ذہنیت اور منفی طرزِ فکر
۳۔ تیسرا باب: اردو زبان، اردو گو مسلمان اور اردو ادب
۴۔ چوتھا باب: کھڑی بولی ہندی
۵۔ پانچواں باب: اردو کا ہندی پر تقدم زمانی

۶۔ چھٹا باب: ہندی امپریلزم اور اردو

۷۔ ساتواں باب: پریم ساگر کی تخلیق کے دور رس نتائج

۸۔ آٹھواں باب: فورٹ ولیم کالج اور اردو، ہندی، ہندوستانی

۹۔ نواں باب: اردو مخالف رجحانات و تحریکات

مندرجہ بالا عنوانات کے تحت مذکور مباحث گیان چند کے لسانی و ادبی مباحث کی جوابی توضیحات ہیں، چناں چہ یہاں اِن کا جائزہ لینے سے قبل لسانیات نگاری کے متعلق اُن کے مذکورہ نقطۂ نظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان کے بقول:

> "اردو میں زبان کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں اور ہندی میں لکھی جانے والی کتابیں ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ ہر مصنف اپنے غالب کا طرف دار ہوتا ہے، غیر جانب دار نہیں ہوتا۔ جانب داری سے بھی زیادہ افسوس ناک علمی معاملوں کو مذہبی اور فرقہ وارانہ رنگ دینا ہے۔ اہل قلم کی وفاداری کسی علاقے، مذہب، زبان یا رسم الخط سے نہ ہو کر محض سچ سے ہونی چاہیے۔ کسی دوسری زبان کے بارے میں لکھتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ زبان کا آغاز وارتقا بڑا پیچیدہ عمل ہے۔ ایک طرف ایک زبان یا بولی میں متعدد دوسری زبانوں کے اجزا ہوتے ہیں، دوسری طرف اس کے بولنے والے یا مخالفین معروضیت کے قائل نہیں ہوتے"۔ (۲)

اس اقتباس میں گیان چند جین نے ہندی اور اردو زبان کے مصنفین پر مذہبی عصبیت اور جانب داری برتنے کا الزام لگایا ہے اور بہ حیثیت مجموعی تنقید کرتے ہوئے لسانیات نگاری میں اہل قلم سے سچ اور احتیاط کا تقاضا کیا ہے، لیکن مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے لسانی مباحث گیان چند کے اپنے مبینہ اصول کے خلاف ہیں۔ ان کا اپنا طرزِ فکر اور اسلوب جانب دارانہ ہے۔ وہ خود 'اپنے غالب کے طرف دار' نکلے ہیں اور اس پر اپنے ہم خیال مصنفین کی آرا سے استناد مستزاد ہے۔ انھی وجوہ نے ان کی کتاب کو اہلِ اردو کے نزدیک غیر معتبر بنا دیا ہے۔ ان کی کتاب کے رد و قبول میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مگر مرزا خلیل احمد نے ردّ کے لیے ایک الگ راہ نکال لی۔ انھوں نے متانت سے نہ صرف حقیقی نقطۂ نگاہ پیش کیا بلکہ اردو زبان و ادب کے متعلق گیان چند کی ژولیدہ بیانی کا ازالہ بھی کیا اور اپنی توضیحات سے مبہم پہلوؤں سے ابہام کی گرد بھی دور کی۔ انھوں نے معروضی حقائق کی روشنی میں غلط خیالات کا مؤثر ابطال کیا، جن کی بدولت اردو کے وجود کو معرضِ خطر میں ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ گیان چند کی کتاب قومی و لسانی عصبیت کا شاخسانہ ہے، جس میں لسانی حقائق کو بری طرح مسخ کیا گیا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین کا اردو ادبیات

میں وسیع حلقہ اثر ہونے کے باعث یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ان کے تصورات و نظریات کا تاریخی و ثقافتی تناظر میں مؤثر جواب دیا جائے۔ گویا یہ کتاب اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔ بقول مرزا خلیل احمد بیگ:

"میں نے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کتاب واقعی قابل مذمت ہے۔.....اگرچہ یہ کتاب ایک علمی موضوع کا احاطہ کرتی ہے لیکن اس میں اردو اور اردو گو مسلمانوں کے خلاف جو زہر افشانی کی گئی ہے، وہ یقیناً قابل افسوس ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے مصنف کی فرقہ وارانہ ذہنیت، لسانی عصبیت اور منفی طرزِ فکر کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب اردو کے شیدائی (بزعم خود) گیان چند جین کی نہیں بلکہ کسی تنگ نظر اور متعصب ذہن فرقہ پرست کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے جس کا انداز بھی نہایت جارحانہ اور غیر معروضی ہے۔ علاوہ ازیں جین صاحب کی اس کتاب میں "اردو ہندی" کے لسانی مسائل و مباحث کو صحیح تاریخی و تہذیبی تناظر میں پیش نہیں کیا گیا۔ ہندی کی بے جا پاس داری کی گئی ہے اور اردو کے سلسلے میں تعصب برتا گیا ہے۔ جین صاحب کو اردو کے ہندی پر تقدم زمانی سے انکار ہے۔ انھیں اس بات سے بھی انکار ہے کہ للو لال جی نے فورٹ ولیم کالج میں انگریزوں کی شہ پر ایک نئی زبان گھڑی۔ وہ انیسویں صدی کی اردو مخالف تحریکات اور ہندی کے جارحانہ پرچار کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اہل اردو کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔ وہ اردو زبان کے ساتھ اردو ادب سے بھی چڑتے ہیں اور اس پر جنسی جارحیت کا الزام لگاتے ہیں اور اسے مذہبی جارحیت سے جوڑ دیتے ہیں، جب کہ زیرِ نظر کتاب میں ان امور سے معروضی حقائق کی روشنی میں بحث کی گئی اور ردّ پیش کیا گیا ہے"۔ (۳)

کتاب کے پہلے باب کا عنوان گیان چند کی کتاب کے نام پر ہے: 'ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب'۔ دیباچے کے بعد یہ کتاب کا افتتاحی مقالہ ہے، جس میں خلیل احمد بیگ نے قارئین سے متذکرہ کتاب کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ اس تعارف میں انھوں نے گیان چند جین کے ہندی اور اردو کے متعلق مابہ النزاع خیالات کا اجمال پیش کیا ہے۔ اولاً مرزا خلیل احمد نے کتاب کے نزاعی مباحث کے حوالے سے اس کے علمی و ادبی حلقوں میں موضوعِ بحث بننے کا ذکر کیا ہے، بعد ازاں گیان چند کی بطور ادیب، نقاد، محقق تعریف اور ان کے تبحر علمی کا اعتراف کر کے ان کی متنازع تصنیف پر تنقیدی تبصرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک کتابی مباحث، ان کی پیش کش کا طریق کار اور اسلوب ان کے منتخب موضوع کے حسب حال نہیں، لہٰذا وہ رقم طراز ہیں:

"یہ کتاب ان کی فرقہ وارانہ ذہنیت اور اردو ادب کے بارے میں ان کی منفی سوچ کا نتیجہ ہے جس پر رد عمل لازمی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے ان کے متعصبانہ نظریات، نیز لسانی تعصب کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گیان چند نے اردو ہندی کے مسئلے کو جو ایک خالص لسانی اور علمی مسئلہ ہے نہایت جذباتی اور غیر معتدل انداز سے پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب غیر متعلق مباحث، غیر معقول دلائل اور غیر ضروری حوالوں سے اٹی پڑی ہے۔ اس میں زیادہ تر

انھی ہندو مصنفین کے خیالات کا چربہ پیش کیا گیا ہے جو اردو سے شدید منافرت کا جذبہ رکھتے ہیں اور لسانی تعصب و تنگ نظری کا بری طرح شکار ہیں"۔ (۴)

مرزا خلیل احمد بیگ کے نقطہ نگاہ کے مطابق گیان چند کی کتاب تحقیقی حوالے سے خام ہے، جس میں انھوں نے علمی حقائق سے اعراض برتا ہے۔ علاوہ ازیں اردو کا تاریخی و ثقافتی تناظر میں مطالعہ کر کے حقیقت پسندانہ موقف پیش کرنے کی بجائے قیاسات اور مستعار افکار و خیالات پر زیادہ انحصار کیا ہے جو لسانی تحقیق کے اصولوں اور تقاضوں کے خلاف ہے۔ گیان چند نے کتاب کے پہلے باب کی تمہید میں منتخب موضوع کو اختلافی مگر دل چسپ اور علمی انداز کا ظاہر کیا ہے۔ بایں ہمہ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف تو جگہ جگہ موجود ہے مگر اس میں علمی انداز مفقود ہے۔ اسی سقم کے ازالے اور اختلافی نقطہ ہائے نظر کی توضیح و توثیق کے لیے انھوں نے جابجا اپنے ہم خیال ہندو مصنفین کے اقتباسات کا سہارا لیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب کا نام "فرقہ وارانہ ذہنیت اور منفی طرزِ فکر" ہے۔ اس جامع مقالے میں مصنف نے گیان چند کی غیر معتدل سوچ اور جذباتی انداز کو ان کی فرقہ وارانہ ذہنیت کی پیداوار قرار دیا ہے، جب کہ یہاں فرقہ وارانہ ذہنیت کی بجائے قوم پرستانہ ذہنیت کے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے کیوں کہ مسلمان اور ہندو دو فرقے نہیں بلکہ دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اردو ہندی تنازع کے پس منظر میں ہندو دانش وروں کی یہی قوم پرستی اور عصبیت کار فرما تھی کیوں کہ اردو زبان و ادب اور عربی رسم الخط اسلامی تمدن کی وہ تین علامتیں ہیں جو مسلمانوں کی عظمت و شوکت کی آئینہ دار اور قومی و ملی وقار کی یادگار ہیں۔ ریاستی سطح پر ان کا وجود اور فروغ ہندوؤں کو ہندوستان کی سب سے بڑی اکثریت ہونے کی حیثیت سے قطعی طور پر قابل قبول نہیں تھا؛ اسی طرح چٹرجی، امرت رائے اور گیان چند کے لسانی افکار کے پس منظر میں بھی یہی قوم پرستانہ ذہنیت اور جذبہ کار فرما ہے۔

اس مقالے میں خلیل احمد بیگ نے سب سے پہلے گیان چند کی کتاب کے نام پر اعتراض عائد کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چوں کہ کتاب اردو زبان اور رسم الخط میں لکھی ہوئی ہے، چناں چہ اس کا نام بھی اردو میں ہونا چاہیے تھا۔ عنوان کے لیے مانوس، موزوں اور رائج الفاظ چھوڑ کر غریب، غیر فصیح اور ناموزوں الفاظ کا استعمال کرنا صحیح نہیں۔ ان کے نزدیک گیان چند کی ہندی پرستی اور اردو دشمنی کا آغاز گویا کتاب کے نام ہی سے ہو گیا ہے۔ عبدالستار دلوی اور حنیف نقوی نے بھی کتاب کے نام پر اعتراض کیا ہے۔ اس نقطہ اعتراض کے بعد خلیل احمد نے کتاب کے مباحث سے سیاق و سباق کے تحت بحث کی ہے۔ اس بحث میں تاریخی حقائق کی روشنی میں گیان چند کے مبینہ اعتراضات کا

شافی جواب دیا ہے اوران کی غلط بیانیوں سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو بھی دور کیا ہے۔ اولاً انھوں نے گیان چند کی کتاب کے موضوع اور مواد کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ کتاب کا نام مسٹر کرسٹوفر آر کنگ کی کتاب One Language, Two Scripts سے ماخوذ ہے مگر دونوں کتابوں کے مواد اور اسلوب میں بہت فرق ہے۔ آر۔ کنگ نے اپنی کتاب میں اردو اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے نہ ہندی زبان کی غیر ضروری حمایت کی ہے۔ بہ خلاف ازیں گیان چند نے اپنی کتاب میں علمی باتیں کم لکھی ہیں اور تعصب کا اظہار زیادہ کیا ہے۔ اسی تعصب کے زیر اثر گیان چند نے بعض مسلمات کی تکذیب کی ہے جب کہ بعض خیالات کو مسلمات کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی طرح بعض امور کی ان کے تاریخی سیاق وسباق کے خلاف تعبیر کی ہے اور بعض مقامات پر اختلاف برائے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کے بعد مرزا خلیل احمد بیگ نے پندرہ نکات کے تحت گیان چند کے عائد کردہ اعتراضات کا خلاصہ قلم بند کیا ہے۔ یہ اعتراضات بعض معتبر اردو شعرا و ادبا، مثلاً میر، مومن، سرسید، آزاد، داغ، اقبال، اصغر، جگر، مولوی عبدالحق، مالک رام اور جگن ناتھ آزاد کے متعلق ہیں۔ مرزا خلیل احمد نے اعتراضات کو لایعنی اور غیر علمی قرار دیا ہے۔ یہیں انھوں نے اردو زبان وادب، اردو انجمنوں، اردو کے اشاعتی اور تعلیمی اداروں اور اردو خواں مسلمانوں کو گیان چند کی جانب سے بلاجواز ہدف ملامت بنائے جانے کا مختصر سا حال بھی لکھا ہے۔ یہیں انھوں نے اردو زبان کی تشکیل کو ہندو مسلم اشتراک اور سماجی میل جول کا نتیجہ ماننے سے انکار اور اس کی کسی لسانی تاویل کے بجائے فرقہ وارانہ توجیہ کرنے پر گیان چند کو ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ ان کے مطابق گیان چند کا یہ طرز فکر لسانی وادبی موضوع کے تقاضوں کے منافی ہے۔

تیسرا باب بہ عنوان ''اردو زبان، اردو گو مسلمان اور اردو ادب'' ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے اردو زبان وادب، بھارتی مسلمانوں اور مسلم ادبا و شعرا کے متعلق گیان چند کے روایتی خیالات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ یہاں مصنف سربہ گریباں ہے کہ گیان چند اردو ادیب و معلم ہونے اور مسلمان قارئین سے پذیرائی ملنے کے باوجود عام ہندوؤں سے چنداں مختلف نہیں۔ ان کا طرزِ فکر وہی ہے جو عام لوگوں کا ہے۔ ایک ایک بات سے عصبیت اور منافرت کا تاثر نمایاں ہے۔ مضمون کے کچھ مباحث تو وہی ہیں جو وہ اپنی کتاب کے دیباچے اور ابتدائی دو ابواب میں بیان کر چکے ہیں جب کہ کچھ مزید امور بھی زیر بحث آئے ہیں۔ گیان چند نے ان امور کو اپنے حسنِ کرشمہ ساز سے تلخ ادبی مسائل بنا کر پیش کیا ہے۔ ان میں ایک مسئلہ اردو ادب میں ہندوؤں کی اہانت کا بھی ہے۔ ان کا الزام ہے کہ اردو نظم ونثر میں ہندو مت اور ہندو پیشواؤں کی غلط تصویر پیش کی گئی ہے۔ انھوں نے قدیم مثنویوں اور قصوں سے سراغ لگا کر چند ایسی مثالیں درج کی ہیں جن میں ان کے مطابق قصہ نگاروں نے دیومالائی شخصیات کا ذکر مناسب

آداب سے نہیں کیا۔ یہاں انھوں نے اردو ادب کے مقابلے میں ہندی ادب میں پیش کردہ اسلام اور اسلامیانِ ہند کی وہ تصویر نہیں دکھائی، جس سے نفرت اور اسلام دشمنی کا تاثر ابھرتا ہے۔ اسی ضمن میں ایک اہم مسئلہ شاعروں یا داستان گوؤں کا اپنی مثنویوں اور قصوں میں مسلمان مرد کو بطور عاشق اور ہندو عورت کو بطور معشوقہ پیش کرنے کا بھی ہے۔ گیان چند اس پر چراغ پا ہیں، لہٰذا وہ اس ادبی رجحان کو جنسی جارحیت کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح انھیں ہندو خاتون کا مسلم مرد سے نکاح کے لیے قبولِ اسلام بھی گوارا نہیں؛ لہٰذا وہ اسے جنسی جارحیت ہی نہیں، مذہبی جارحیت بھی قرار دیتے ہیں۔ بخلاف ازیں مرزا خلیل احمد کا کہنا ہے کہ ادب کو ادب سمجھنا چاہیے اور اسے مذہبی رنگ نہیں دینا چاہیے۔ علاوہ ازیں ان کے نزدیک عہدِ قدیم میں ہندو مسلم کا معاشقہ اور نکاح چنداں معیوب عمل نہیں تھا۔ قدیم معاشرہ محبت ویگانگت کا گہوارہ تھا اور ایک سماج میں رہتے ہوئے دونوں قوموں کے افراد باہم پیار بھی کرتے تھے اور شادیاں بھی۔ تاریخ سے ایسے واقعات کے شواہد ملتے ہیں۔ ایسی شادیاں باہمی رضامندی سے انجام پاتی تھیں کیوں کہ ان کی بنیاد عام طور پر مرد وزن کا عشق ہوتا تھا۔ گلستانِ سعدی کی ایک حکایت میں منقول ہے کہ "چوں عاشقی و معشوقی درمیان آمد، مالکی و مملوکی برخاست"۔ یعنی عشق و تعشق میں آقا و غلام کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اسی طرح عاشق و معشوق کے درمیان مذہب کا فرق بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عاشق یا معشوق اِس مذہب کا ماننے والا ہو کہ اُس مذہب کا، مذہب عشق اختیار کرنے سے دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔[۵] اس تناظر میں گیان چند جین کا اعتراض بے بنیاد اور ناروا ہے۔ ان کی اختیار کردہ روش ادیبانہ اور محققانہ نہیں بلکہ قوم پرستانہ ہے، جس کا علمی و ادبی موضوع سے کوئی واسطہ نہیں۔ ایک ادیب اور ماہر لسانیات کو ایسی روش سے احتیاط لازم ہے۔

چوتھا باب "کھڑی بولی ہندی" گیان چند کے ان مباحث سے متعلق ہے جو انھوں نے مسلم مصنفین کی اس تحقیق کے جواب میں لکھے ہیں کہ اردو بلاواسطہ کھڑی بولی سے ارتقا پذیر ہوئی جب کہ ہندی، اردو سے مستخرج ہوئی، لہٰذا اردو کی تاریخ ہندی زبان سے قدیم تر ہے۔ پروفیسر گیان چند نے کتاب میں لکھا ہے کہ اہل اردو کو ہندی کے ماضی پر اعتراض ہے اور وہ اعتراض یہ ہے:

> "کھڑی بولی ہندی ایک بالکل نئی زبان ہے جسے انگریزوں کے حکم پر فورٹ ولیم کالج میں تیار کیا گیا۔ اس کا مقصد ہندوؤں کے لیے ایک مشترکہ زبان مہیا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا"۔[۶]

اس ضمن میں مرزا خلیل احمد کا کہنا ہے کہ جسے گیان چند نے اعتراض کہا ہے، وہی تو اصل حقیقت ہے اور سب سے پہلے خود ہندی مصنفین ہی نے اس حقیقتِ حال کو بیان کیا تھا اور ان کے بعد گریرسن اور دوسرے مستشرقین نے

بیان کیا تھا۔ مسلمان مصنفین نے ہندی کی لسانی تشکیل کے اس پہلو پر ان کے بہت بعد لکھا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو متہم کرنا سراسر ناروا ہے۔ بقول مرزا خلیل احمد بیگ:

"یہ دراصل اعتراض نہیں بلکہ حقیقت ہے، جسے ایودھیا پرساد کھتری کے بعد کئی انگریز اور ہندو مصنفین نے بیان کیا ہے۔ اہل اردو نے تو انھی مصنفین کی کہی ہوئی باتوں کو بعد میں دہرا دیا ہے۔ اس ضمن میں جین صاحب نے جن اہل اردو کے نام پیش کیے ہیں، ان میں ایک فرمان فتح پوری ہیں جن کی کتاب ہندی اردو تنازع ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی اور دوسرے شمس الرحمان فاروقی ہیں، جن کی کتاب اردو کا ابتدائی زمانہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ گویا سو سال پہلے کہی ہوئی بات کو جسے پہلے ہندو اور انگریز مصنفین نے کہا تھا، اگر اہل اردو نے محض دہرا دیا تو انھیں موردالزام قرار دیا گیا کہ وہ ہندی کے ماضی پر معترض ہیں"۔ (۷)

پانچویں باب کا نام "اردو کا ہندی پر تقدم زمانی" ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس میں مصنف نے تاریخی حقائق سے ہندی پر اردو زبان وادب کی قدامت ثابت کی ہے۔ اس تحریر کی اساس گیان چند کا یہ تاکیدی بیان ہے:

"یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اردو ادب کے خمیر سے بنائے گئے ہیں تو ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اردو ادب کو ہندی کا پیش رو قرار دیں"۔ (ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب، تمہید، ص ۱۴)

مرزا خلیل احمد اردو زبان وادب کی تقدیم کے قائل ہیں۔ اردو کی ابتدا اور تشکیل کے متعلق ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے، جو شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور دہلی میں حکومت سازی (۱۱۹۳ء) کے بعد ہندوؤں اور نووارد مسلمانوں کے باہمی میل جول اور اختلاط کے نتیجے میں کھڑی بولی پر ہریانی، عربی اور فارسی کے اثرات مرتب ہونے سے پیدا ہوئی۔ کھڑی بولی دہلی کے شمال مشرق اور مغربی اتر پردیش کے علاقوں میں بولی جاتی تھی جسے مسلمانوں کی سرپرستی حاصل تھی، یہی بولی اردو کی اصل واساس ہے بلکہ کھڑی بولی ہی بتدریج بن سنور کر اردو کہلائی۔ مختلف ادوار میں اردو مختلف ناموں سے پکاری گئی۔ اس کے ابتدائی نام ہندی، ہندوی پڑے، پھر یہ ریختہ اور اردوے معلی کہلائی اور بالآخر اردو سے موسوم ہوئی۔ بہ خلاف ازیں ہندی کے متعلق ان کا موقف ہے کہ ہندی فورٹ ولیم کالج میں للولال کی پریم ساگر کی تصنیف (۱۸۰۳ء) کے ذریعے غیر فطری طور پر پیدا ہوئی اور ہندو مصنفین نے اردو کے مقابلے میں اس کی اشاعت کی۔ اردو زبان سے عربی وفارسی الفاظ وتراکیب کا اخراج اور متبادل سنسکرت الفاظ کا استعمال ہندی کا لسانی تشخص ہے۔ اردو زبان کی طرح اردو ادب بھی قدیم ہے، اسی لیے ہندی ادب کی نسبت زیادہ ثروت منداور شان دار تاریخ کا حامل ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، جسے ہندی اور انگریزی مصنفین نے بھی اپنی اپنی تصنیف میں تسلیم کیا ہے مگر گیان چند ماننے سے انکاری ہیں۔ انھیں اردو کو ہندی کا

پیش رو تسلیم کرنے میں تامل ہے، اسی لیے غیر مصدقہ قدیم ہندی نمونوں کے ذریعے اردو پر ہندی زبان وادب کے تقدم زمانی کے دعوے دار ہیں۔ مرزا خلیل احمد نے گیان چند کے مندرجہ کچھ نمونوں کو جعلی اور کچھ کو تحقیق طلب قرار دیا ہے۔ بہ خلاف ازیں اردو ادب کی تقدیم کے ثبوت کے لیے ۱۸۰۰ء سے قبل کی ایسی پندرہ نثری کتب کی فہرست درج کی ہے جو اردو میں تالیف و ترجمہ ہو چکی تھیں۔ فہرست کے اندراج کے بعد ان الفاظ میں توضیح کی ہے:

> "ان کے معرض وجود میں آنے سے بہت پہلے اردو میں شاعری کا سلسلہ امیر خسرو (۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۵ء) کے ہاتھوں شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد چودھویں صدی سے دکن میں اردو کے سلسلہ وار شعری ونثری نمونے ملتے ہیں اور اٹھارھویں صدی کے اختتام تک شمال اور جنوب دونوں علاقوں میں اردو کا وقیع سرمایہ اکٹھا ہو جاتا ہے، جب کہ اس دور کی کھڑی بولی ہندی کے ادبی نمونے بالکل دستیاب نہیں اور اگر بعض نمونے ملتے بھی ہیں تو یا ان میں برج بھاشا کے نمونے شامل کر لیے جاتے ہیں یا وہ غیر مصدقہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کی ادبی روایات بہت پرانی ہیں اور اس اعتبار سے اردو کو ہندی پر فوقیت اور زمانی تقدم حاصل ہے"۔ (۸)

چھٹا باب "ہندی امپریلزم اور اردو" کے عنوان سے ہے۔ 'گزشتہ سے پیوستہ' کے مصداق کتاب کا یہ مضمون بھی اپنے سابقہ مضامین سے منسلک ہے، جس میں ہندی وار اردو کو ان کے لسانی تشخص کے حوالے سے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ گیان چند جین نے اپنی کتاب میں کھڑی بولی ہندی کو شمالی ہند کی مختلف زبانوں کا ایک وفاق قرار دیا ہے۔ اہل اردو کی نظر میں یہ لسانی تصور باطل ہے:

> "کھڑی بولی ہندی (اندازاً ۱۱۰۰ء تا ۱۵۰۰ء) محض ایک واحد زبان نہیں بلکہ شمالی ہند کی مختلف زبانوں اور بولیوں کا ایک وفاق ہے۔ ان زبانوں کے بولنے والے اپنی خوشی اور رضامندی سے (ہریانی، برج، اودھی، بھوج پوری وغیرہ) خود کو ہندی کی وسیع برادری کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔ پھر اردو والے ان کے موقف پر کیوں معترض ہیں؟"۔ (۹)

مرزا خلیل احمد بیگ گیان چند کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گیان چند کے اس تصور سے ان کی ہند آریائی زبانوں سے لاعلمی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ ۱۰۰۰ء عیسوی کے بعد شمالی ہندوستان میں شور سینی اپ بھرنش، ماگدی، اور اردھ ماگدی اپ بھرنش سے پیدا ہونے والی بولیوں کے فرق وامتیاز سے ناواقف ہیں۔ ان بولیوں میں ساختی مماثلت موجود نہیں ورنہ یہ اپنی علاقائی خصوصیات سے ممتاز نہ ہوتیں۔ گیان چند کا مذکورہ بولیوں کے ایک لسانی وفاق میں انضمام کا تصور، لسانی استحصال اور ان بولیوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کی ناروا کوشش ہے۔ ان کا یہ موقف اختیار کرنا اس غرض سے ہے کہ دوسری زبانوں کے مقابلے میں ہندی کے لسانی حلقے کو وسیع تر کیا جا سکے۔ گو ریاستی آئین اردو سمیت تمام ہندوستانی زبانوں کی ترویج واشاعت کی ضمانت دیتا ہے تاہم عملی طور پر

ہندوستان میں ہندی زبان کی شہنشاہت قائم ہے، جس کی حدود میں توسیع کے لیے دوسری زبانوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اِسی استحصال نے وقتاً فوقتاً لسانی تحریکوں کو جنم دیا، جن کے تحریک کار اپنی اپنی بولیوں کے استحصال پر احتجاج اور ان کی لسانی وادبی شناخت اور ترویج وترقی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو جزوی حقوق مل گئے جب کہ بعض تحریکوں کو پنپنے سے پہلے ہی اس خدشے کے تحت دبا دیا گیا کہ متذکرہ بولیوں کو آئینی سطح پر جداگانہ زبان کا درجہ دینے سے ہندی کا فروغ متاثر ہوگا اور اس کا دائرۂ اثر محدود ہو جائے گا۔ خلیل احمد بیگ کا خیال ہے کہ اگر ان بولیوں کو آزادانہ پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آجائیں تو وہ جدید ہند آریائی زبانوں کی ہم سر بن سکتی ہیں۔

خلیل احمد بیگ نے اس جامع مضمون میں اردو زبان کو اختصاصی طور پر موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو جیسی آزاد اور مستقل زبان بھی ہندی کی شہنشاہت سے نہ بچ سکی۔ اہل ہندی نے اردو کی ادبی ولسانی تاریخ سے اغماض برتتے ہوئے محض لسانی تعصب اور ہندی کی برادری کو وسیع تر کرنے کی غرض سے اردو کو ہندی کی ایک شیلی قرار دے دیا۔ مصنف کے خیال میں کسی آزاد اور مستقل زبان کو کسی دوسری زبان کی شیلی قرار دینا، گویا اس کے وجود کی نفی کرنا اور اس کے تمام ادبی اور لسانی سرمایے پر شب خون مارنا ہے۔ اہل ہندی نے اردو زبان کے ساتھ یہی کچھ کیا؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اردو، ہندی کی ہم سر ہے۔ اگر ان دونوں زبانوں میں سے کوئی ایک زبان کسی دوسری زبان کی شیلی ہے تو وہ ہندی ہے جو بجا طور پر اردو زبان کی شیلی قرار دی جاسکتی ہے، کیوں کہ ہندی کی تشکیل سے بہت پہلے کھڑی بولی سے اردو ار تقا پذیر ہوئی تھی۔[۱۰] یہاں مصنف نے اردو کی ان لسانی جہات سے بحث کر کے اہم تصریحات پیش کی ہیں جنھیں گیان چند نے اپنی کتاب میں یک لسانی نظریے اور لسانی عصبیت کے تحت نزاعی رنگ میں پیش کیا۔ اسی عصبیت کے تحت گیان چند نے کہیں اُردو کو ہندی زبان قرار دیا اور کہیں اردو کو بولی کے طور پر پیش کر کے اس پر ہندی کا زمانی تقدم اور لسانی تفوق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ گیان چند کا کہنا ہے کہ کسی زبان کی بنیاد اس کے بنیادی الفاظ اور صرفی ونحوی قواعد پر ہوتی ہے۔ اس تناظر میں ان کا مدعا ہے کہ اگرچہ اردو اور ہندی ادب دو مختلف اور آزاد ادب ہیں لیکن اردو اور ہندی دو مختلف زبانیں نہیں۔ دخیل الفاظ سے زبان کا تعین نہیں ہوتا۔ رسم الخط کا فرق بھی اسی طرح ایک زبان کے دو حصے نہیں کر سکتا، جس طرح رسم الخط کی مطابقت دو زبانوں کو ایک نہیں کر سکتی۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا کی زبان ایک ہے، جسے ملائے کہتے ہیں۔ ملائیشیا میں یہ زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور انڈونیشیا میں رومن میں۔ اس کے باوجود یہ دو زبانیں نہیں۔ اسی طرح کلچرل پس منظر بھی زبان کی نوعیت طے نہیں کر سکتا۔[۱۱] مرزا خلیل احمد نے گیان چند کے اس ادعائی بیان کا رڈ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گو اُردو اور ہندی نچلی سطح پر ایک زبانیں ہیں مگر جیسے جیسے یہ اعلیٰ سطحات تک پہنچتی جاتی ہیں، ان میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے

اورآگے چل کر ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ وبیگانہ ہو جاتی ہیں۔ پھر انھیں ایک زبان کہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ ہندی اور اردو دو علیحدہ اور آزاد زبانیں ہیں، دونوں کا اپنا اپنا تشخص ہے، جو نہ صرف ان کا رسم الخط ہے بلکہ ان کا ذخیرۂ الفاظ اور اسلوب بھی ہے۔ اردواور ہندی کا آغاز اگرچہ ایک ہی ماخذ سے ہوا اور ہیئت کے اعتبار سے یہ دونوں مماثل زبانیں ہیں لیکن اپنے ارتقا کے مراحل میں بعض وجوہ سے ایک دوسرے سے اتنا دور جا پڑی ہیں کہ ان کے سماجی سیاق وسباق، تاریخی وتہذیبی حوالوں، ثقافتی وظائف اور قدروں نیز مزاج میں قابل لحاظ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اردواور ہندی کے مشترک قواعدی ڈھانچے سے قطعِ نظر ان میں تلفظ، روزمرہ، محاورات، مرکبات، زیر اضافت، اصطلاحات، تعلیقیوں اورالفاظ کی جنس کا فرق بھی نہایت واضح ہے۔(۱۲)

جب دو مماثل زبانوں کا تقابلی مطالعہ جزوی سطح پر کیا جائے تو ان میں ایسی مماثلت ملتی ہے کہ دو زبانوں پر ایک زبان ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر جب یہی مطالعہ کلیت کی سطح پر کیا جائے تو ان کے جملہ لسانی امتیازات آشکار ہو جاتے ہیں۔ اسی تناظر میں متعدد ماہرین لسانیات کا موقف ہے کہ مطالعہ لسانیات جزوی طور پر کرنے کی بجائے کلی طور پر کیا جانا چاہیے۔ دنیا کی ہر زبان کی چند تہذیبی جہات بھی ہوتی ہیں جو اس کی تشکیل وترویج میں معاون بنتی ہیں۔ مثلاً رسم الخط، روزمرہ، محاورہ، تشبیہات، استعارات، علامات، تلمیحات، اقوال اور ضرب الامثال جو تہذیبی زندگی کے مظاہر اور کسی بھی قوم کی زبان کے ماہیتی عناصر ہیں، جب عام استعمال سے زبان کے اجزاے لاینفک بن جاتے ہیں تو ان سے لسانی کلیت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس تصورِ کلیت سے قطعِ نظر محض سادہ جملوں کی ساخت اورافعالی مشتقات میں یک گونہ مماثلت کی بنیاد پر کسی خطے کی دو زبانوں پر ایک زبان ہونے کا اطلاق کرنا ناروا تاویل ہے۔ اس حوالے سے اردو کو وسیع لسانیاتی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

ساتواں باب بہ عنوان ''پریم ساگر کی تخلیق کے دوررس نتائج'' ہے۔ خلیل احمد بیگ نے اس تحریر میں پریم ساگر کی تالیف کی نوعیت، مضمرات اوراثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اس باب میں توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''للولال جی نے 'پریم ساگر' کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے 'یامنی بھاشا' کو ترک کر کے 'دلی آگرہ کی کھڑی بولی' میں کتاب لکھی ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں عربی فارسی الفاظ کی شمولیت پائی جاتی ہے اورآخر الذکر میں عربی فارسی الفاظ کو ترک کر دیا جاتا ہے دوسری اہم بات یہ ہے کہ گل کرسٹ نے للوجی لال کو پریم ساگر لکھنے کی ہدایت اس لیے دی تھی کہ وہ ہندوؤں کے لیے ایک علیٰحدہ زبان کی تعمیر کے خواہاں تھے جو ان کے دینی مقاصد اور تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے انھوں نے شریمت بھاگوت کے دسویں کھنڈ کو پریم ساگر کے نام سے لکھ کر ایک مذہبی فریضہ بھی انجام دیااور ہندوؤں کی تعلیمی ضرورت کو بھی پورا کیا 'یامنی بھاشا' کو ترک کر کے جو اسلوب

اختیار کیا، اس کے دوررس لسانی نتائج مرتب ہوئے اور ایک نئی زبان کی تشکیل عمل میں آئی لسانی افتراق نیز ہندی اردو کش مکش اور تنازع کی ابتدا در حقیقت یہیں سے ہوتی ہے اس لسانی افتراق اور لسانی علیحدگی پسندی کو انیسوی صدی کی ہندو احیا پرست تنظیموں اور ناگری پرچارنی سبا نے خوب ہوا دی، چناں چہ اس نے بہت جلد ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ ہندی تحریک کو جارحانہ انداز سے چلایا گیا اور اسے مذہب اور قومیت سے جوڑ دیا گیا [نتیجۃً] ایک زبان بولنے والے دو حصوں میں تقسیم ہوگئے، لسانی افتراق اور علیحدگی پسندی کی بنیاد پڑی، فرقہ وارانہ رجحانات کو تقویت پہنچی اور تاحال نہ ختم ہونے والی لسانی کش مکش اور ہندی اردو تنازع کا آغاز ہوگیا"۔ (۱۳)

مرزا خلیل احمد بیگ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ متذکرہ کتاب جدید ہندی کی بنیاد کی خشتِ اول ہے۔ اس کی تخلیق ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج کے منتظم گل کرسٹ کی ایما پر للولال جی کے ہاتھوں ہوئی، جس میں عربی و فارسی لفظیات کی جگہ سنسکرت اور برج بھاشا کے الفاظ کا استعمال اور اردو کے مروجہ اسلوب کے بجائے مقامی اسلوب اختیار کیا گیا۔ مزید برآں عام چلن کے خلاف اردو کے رائج رسم الخط (نستعلیق) کی بجائے دیوناگری کو ذریعہ تحریر بنایا گیا۔ بعد میں اسی غیر فطری زبان کو ایک تحریک کے تحت فروغ دے کر اس کے مقابلے میں اردو کی لسانی حیثیت کا استحصال کیا گیا۔ یہاں کے مسلمان ہندوستان پر صدیوں حکمرانی کے باوجود بھی اقلیت میں رہے، جب کہ ہندو محکوم ہو کر بھی بدستور سب سے بڑی اکثریت ثابت ہوئے۔ یہی اکثریت خطے میں ہندی کی لسانی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اردو جو کبھی اکثریت کی زبان ہوا کرتی تھی، ہندوؤں کے تعصبات کے نتیجے میں ایک اقلیت کی زبان بن کر رہ گئی۔ پریم ساگر جہاں ہندی کی پہلی کتاب ہے، وہیں اپنے مضمرات واثرات کے لحاظ سے اردو ہندی تنازع، انتشار اور وسیع اردو برادری کی جبری تقسیم کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔

آٹھواں باب "فورٹ ولیم کالج اور اردو، ہندی، ہندوستانی" کے عنوان سے ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، زیر مطالعہ مضمون میں اردو اور ہندی زبانوں کو کول کتہ میں قائم متذکرہ کالج (۱۸۰۰ء) کے حوالے سے موضوع بنایا گیا ہے۔ مصنف نے اس میں بتایا ہے کہ جہاں انگریزوں نے اس ادارے میں اردو نثر میں کتابیں تالیف و ترجمہ کرکے نثری ادب کا دامن وسیع کیا، وہیں اپنی حکمت عملی سے ہندوؤں کے لیے جدید ہندی کی داغ بیل بھی ڈال دی اور وہیں اردو کی لسانی تقسیم اور ہندی اردو نزاع کی بنیاد بھی رکھ دی۔ مقامی اسلوب میں پریم ساگر کو لکھوا اور چھپوا کر جہاں انھوں نے ہندوؤں کی مذہبی و تعلیمی ضرورت کو پورا کیا، وہیں ایک زبان کی اختراع سے انتشار کا دروازہ بھی کھول دیا۔ آخر کار ان کی اشاعتی مساعی اردو کی لسانی تحدید پر منتج ہوئیں۔ مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ کالج کا قیام جن اغراض سے عمل میں آیا تھا، رفتہ رفتہ ان سے ہٹ گیا۔ ملکی صورتِ حال اور مذکورہ کالج کی انتظامیہ کے بدلنے

کے ساتھ ساتھ غیر متوقع طور پر کالج کی ترجیحات بھی تبدیل ہو گئیں۔ جس ادارے کو اردو والوں نے ایک پھل دار باغ خیال کیا، وہی ان کی زبان کے لیے خاردار جھاڑیوں کا جنگل ثابت ہوا۔

اپنی کتاب کے نویں باب میں مرزا خلیل احمد بیگ نے ہندوستان میں انیسویں صدی کے اردو مخالف رجحانات و تحریکات اوران کے تناظرات و نتائج کا تاریخی و تنقیدی جائزہ مرتب کیا ہے۔ یہ جائزہ ہندوستان میں اردو کی لسانی حیثیت، اردو ہندی تنازع اور ہندووانہ عصبیت کی بنیاد پر اردو کی وسیع برادری کی تقسیم کی تفہیم میں کافی معاون ہے۔ زیر مطالعہ کتاب کی اس تحریر میں بیش تر گزشتہ باب کے مباحث کا اعادہ ہوا ہے، تاہم کچھ مزید امور بھی زیر بحث آئے ہیں۔ مرزا خلیل احمد کے مطابق اردو مخالف رجحانات کا سلسلہ فورٹ ولیم کالج کی سرگرمیوں سے پیدا ہوا ہے۔ اس کی ابتدا پریم ساگر کی تالیف سے ہوئی۔ ۱۸۰۴ء کے بعد جب انتظامیہ بدل گئی تو کالج کی ترجیحات بھی بدل گئیں۔ نئی انتظامیہ نے کالج کے مقررہ ضوابط اور پالیسی کے خلاف سنسکرت آمیز زبان اور دیوناگری رسم الخط کو رواج دیا۔ یہی رواج لسانی افتراق اور ہندی اردو تنازع کا نقطہ آغاز ہے۔ انیسویں صدی میں ہندوؤں میں تہذیبی احیا کے روزافزوں رجحان کے تحت لسانی تفریق بڑھنے لگی جو رسم الخط اور اسلوب کی بنیاد پر گہری ہوتی چلی گئی۔ اسی تناظر میں ہندوؤں نے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کی جگہ دیوناگری لپی اور ہندی کا پرچار شروع کر دیا۔ ریاستی سطح پر اردو زبان وادب کی اشاعت ہندو دانشوروں کو قبول نہیں تھی کیوں کہ اردو کو مشترکہ ثقافتی ورثہ ماننے کا رجحان نہ رہا، چناں چہ موقع غنیمت جان کر ہندو سماجی تنظیموں اور ناگری پرچارنی سبا نے اس لسانی افتراق کو مزید ہوا دی۔ اندریں حالات لسانی علیحدگی پسند رجحان نے فروغ پاکر ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ بنگال اور پنجاب میں قوم پرستوں نے اپنے مطالبے کے حصول کے لیے ہندی تحریک میں فعالیت پیدا کی اور اس کا ناطہ ناروا طور مذہب و قومیت سے جوڑ دیا۔ ہندو تنظیموں کے فعال کردار کی بدولت اردو مخالف رجحان میں سرگرمی پیدا ہوئی اور ہندی کے نفاذ کا مطالبہ اور توانا ہو گیا۔ لسانی علیحدگی پسندوں نے ایسی ذہن سازی کی کہ اردو کو مشترک تہذیبی سرمایہ کہنے والے ہندو بھی وقت کی راگنی گانے لگے۔ راگنی کی آواز اتنی مؤثر تھی کی کہ بالآخر انگریزی ایوانِ اقتدار میں بھی سنی گئی اور ۱۸-اپریل ۱۹۰۰ء کو ہندی کا مطالبہ مان لیا گیا۔ اسی دن اردو کا المیہ بھی رونما ہوا۔ حکومت کی طرف سے محکمانہ سطح پر ناگری رسم خط میں ہندی کا نفاذ اردو کا استحصال ثابت ہوا۔ یوں ایک خوشے سے اٹھنے والی چنگاری نے دیکھتے ہی دیکھتے سارا خرمن جلا دیا۔ اس دل خراش منظر پر اہل اردو نے اپنے دل بھی جلائے اور خون کے آنسو بھی بہائے مگر جب کوئی چنگاری بھڑک کر الاؤ بن جائے تو الاؤ آنسوؤں سے کہاں بجھ سکتا ہے۔ مؤرخین نے اس المیے کو خونیں حروف میں لکھا ہے۔ لکھتے ہوئے ان کی انگلیاں فگار بھی ہوئیں اور خامہ خوں چکاں بھی ہوا۔ تاہم ناطقہ سر بگریباں

ہے کہ گیان چند کو کیا کہیے جنھوں نے اردو مخالف رجحانات اور تحاریک کو جواز فراہم کرتے ہوئے الٹا اہل اردو کو الزام دیا اور کہیں ہندی کے جارحانہ پرچار کی مذمت نہیں کی۔ گویا انھوں نے کتاب 'ہندوؤں کے نقطۂ نظر' سے لکھی اور ہر جگہ 'اپنے غالب کی طرف داری' کی ہے۔ گیان چند نے کتاب کی تمہید میں اپنے ایک دکھ کا ذکر کیا ہے:

"مجھے یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئی، یہ ایک دُکھ کا شجر ہے۔"

ان کا یہ مختصر سا جملہ معنی خیز ہے جس کے اندر ایک جذباتی کیفیت ملتی ہے۔ اپنی کتاب کے مندرجات کے متعلق مذکورہ الفاظ کا استعمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ گیان چند نے یہ کام کسی داخلی تحریک یا طبعی رجحان کے تحت انجام دیا ہے، تاہم داخلی عوامل کے علاوہ معاشرہ کے خارجی اُمور و احوال کو بھی کتاب کی تالیف میں خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے مبینہ دُکھ کا بیج ان کی ہندو معاشرت کا بویا ہوا ہے، جو ان کے مخصوص ماحول میں نمو پذیر ہوا اور پھر انجمن ترقی اردو ہند کے مطبوعہ ہفت روزہ ہماری زبان میں ہونے والی 'مرحوم' اور 'آنجہانی' کی ناروا اختلافی بحثوں سے پیدا ہوا اور اس کے بعد سنیتی کمار چٹرجی، امرت رائے اور دیگر ہندو مصنفین کی تحریروں کے مطالعے سے پروان چڑھ کر ایک تن آور شجر بن گیا۔ معروف ماہر لسانیات عبدالستار دلوی کا بھی یہی موقف ہے جو انھوں نے اپنی کتاب دو زبانیں دو ادب میں مفصل بیان کیا ہے۔

گیان چند کی کتاب کی اشاعت سے جہاں ہندی و اردو کی لسانی ماہیت کے متعلق مختلف فیہ پہلو سامنے آئے، وہاں ان کی اردو سے محبت کا پردہ بھی چاک ہو گیا اور پوشیدہ عزائم بھی آشکار ہو گئے۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے گیان چند کی کتاب امرت رائے کی کتاب *A House Divided* کا ضمیمہ معلوم ہوتی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بچپن میں لاشعور میں جاگزیں مذہبی تعصب پیری میں لسانی تعصب کی صورت میں ڈھل کر اظہار پذیر ہوا ہے ورنہ انھیں اردو کا لسانی استحصال کرنے کی کوئی ضرورت نہ پیش آتی۔ فرائڈ کے نزدیک ادب و فن لاشعوری خواہشات اور رجحانات کی ارتفاعی یا تصعیدی صورتیں ہیں۔ ہمارے شعوری اعمال، ہماری پسند و ناپسند، نظریات و معتقدات غرض کہ ہماری پوری زندگی لاشعوری عوامل سے کسی نہ کسی شکل میں ضرور متاثر ہوتی ہے۔ (۱۴) فرائڈ کے اس نقطۂ نظر کی روشنی میں گیان چند کی کتاب کا جائزہ لیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مذہبی عصبیت ابتدائی عمر میں سماجی حالات کے تحت ان کے لاشعور میں بیٹھ گئی تھی، جب اسے شعور کی سطح پر آنے کا موقع ملا تو لسانی عصبیت کی شکل میں ظاہر ہو گئی۔ زیر بحث موضوع ایک وسیع اور کثیر الجہات لسانیاتی تناظر میں مطالعے کا متقاضی ہے مگر گیان چند نے اس کے تناظر کو ناروا طور پر محدود کر دیا۔ ان کی فکر و نظر کا ارتکاز زبان و ادب کی خاص خاص جہات پر

رہا تا کہ مطلب کے مطابق نتائج حاصل کیے جاسکیں۔ بہ خلاف ازیں مرزا خلیل احمد بیگ ایک مختلف مکتبِ فکر کے ترجمان ہیں۔ وہ لسانیات میں اپنے استاد کے پیروکار ہیں، سوان کا نقطۂ نظر انھی کی طرح جامع و متوازن اور طریق کار سائنسی ہے۔ انھوں نے مذکورہ کتاب کا عالمانہ جواب دیا ہے اور جواب میں مخالفت برائے مخالفت کی روش اپنانے سے احتراز کیا ہے۔ ان کی فکر کا ارتکاز زبان کے کسی خاص پہلو پر نہیں رہا۔ انھوں نے ہندی و اردو کا صرفی و نحوی جائزہ بھی لیا ہے اور تاریخی و تہذیبی مطالعہ بھی کیا ہے تا کہ حقیقی نتائج مرتب کیے جاسکیں، بایں ہمہ بعض لسانیاتی امور مزید تحقیق طلب ہیں۔ مرزا خلیل احمد نے گیان چند کے خیالات کی تغلیط کر کے یہ مثال قائم کی ہے کہ علمائے لسانیات اور محققین کی تحقیق کا معیار کیسا ہونا چاہیے۔ انھوں نے توازن، اعتدال اور استدلال کو اپنا شیوہ بنایا ہے اور تاریخی و توضیحی لسانیات کے علم اور تجزیاتی شعور کی کسوٹی پر گیان چند کے اس نقطہ نگاہ کو جانچ پرکھ کر مسترد کر دیا ہے کہ ہندی و اردو ایک ہی زبان یا ایک زبان کے دو روپ ہیں، جن کا رسم الخط مابہ الامتیاز ہے اور جدید ہندی ایک مکمل زبان ہے جب کہ اردو اس کی شیلی ہے۔ اسی طرح انھوں نے گیان چند کے اردو زبان و ادب کے مقابلے میں ہندی زبان و ادب کی تقدیمی حیثیت کے تصور کو بھی باطل قرار دیا ہے۔

الغرض مرزا خلیل احمد بیگ نے گیان چند کے مابہ النزاع اور غیر معقول خیالات کا جامع طرزِ استدلال سے ردّ کر کے اردو زبان کا مؤثر دفاع کیا ہے جو اُن کی علمیت، لسانی شعور اور تحقیقی و تنقیدی بصیرت کا مظہر ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ بیگ، خلیل احمد، ڈاکٹر، ایک بھاشاجومستردکردی گئی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۷ء، ص ۱، ۲

۲۔ جین، گیان چند، ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴، ۱۵

۳۔ بیگ، خلیل احمد، ایک بھاشاجومستردکردی گئی، ص ۱ تا ۱۱

۴۔ حوالہ مذکور، ص ۱۶

۵۔ حوالہ مذکور، ص ۳۳

۶۔ جین، گیان چند، ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، ص ۱۱۸

۷۔ بیگ، خلیل احمد، ایک بھاشاجومستردکردی گئی، ص ۳۹

۸۔ حوالہ مذکور، ص ۴۹ تا ۵۳

۹۔ جین، گیان چند، ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، تمہید، ص ۱۵

۱۰۔ بیگ، خلیل احمد، ''ایک بھاشاجومستردکردی گئی''، ص ۵۹

۱۱۔ گیان چند، اردو، ہندی یاہندوستانی، مشمولہ علم ودانش، جلد ۱، شمارہ ۲، ۱۹۷۳ء، مدیر غیاث الدین، سری نگر، ص ۱۸
نیز مشمولہ: حقائق (مجموعہ مضامین)، نیشنل آرٹ پریس، الہ آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۳۳۷ تا ۳۴۳
نیز ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، حرف اول، ص ۱۲

۱۲۔ ماخوذ از خلیل احمد، ایک بھاشاجومستردکردی گئی، ص ۶۱ تا ۶۳

۱۳۔ حوالہ مذکور، ص ۶۹ تا ۸۰

۱۴۔ بحوالہ حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۵